

## دور حاضر میں دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنے کا آسان طریقہ

### ارشاد علی جیلانی

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، خلق آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے بندۂ اخیر تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لازوال سلسلہ اس کے بندوں پر جاری ہے، ایسی نعمتیں کہ جن کا استحضار و احاطہ کرنا بھی عقل انسانی کے بس میں نہیں۔ انہیں نعمتوں میں سب سے افضل و اعلیٰ بلکہ یوں کہیں کہ محبوب ترین نعمت انسانیت کو ایمانی دولت سے سرفراز کرنا ہے۔ ایمان کی دولت وہ نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں، یہی وہ نعمت ہے جو مخلوق کو اپنے خالق کے قریب کرتی ہے، جو اس دولت سے مالا مال نہیں، اس کے لیے خسارۂ ابدی اور بربادی کا اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَالْعَصْرِ. إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ. إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ.“ (سورہ عصر: 1-3)

قسم ہے اس عصر و زمانہ کی بے شک انسان یقیناً گھاٹے میں ہیں مگر جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں۔ (معارف القرآن)

ایمان جیسی عظیم نعمت عطاء کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم الشان ہستیاں مبعوث فرمائیں جنہوں نے اپنی اپنی قوموں اور امتوں کو راہِ راست پر آنے کی نہ صرف دعوت دی، بلکہ اپنی مکمل کاوشوں سے بندوں کو اللہ کے قریب کر دیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسی سلسلے کی آخری کڑی خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ابتداء میں اسلام کی خاطر پیغمبر اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے بہت تکالیف برداشت کیں، طرح طرح کی آزمائش میں مبتلا رہے، انہیں بے جا مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کی آنکھ محنت، غیر معمولی جدوجہد، جانی و مالی قربانی اور اللہ سے والہانہ محبت کی وجہ سے یہ دین اسلام پھیلنا گیا، بستی بستی، گلی کوچوں، گوشوں گوشوں تک اسلام کی معطر ہوائیں چلنے لگیں اور آج چودہ سو سال بعد بھی پوری دنیا میں اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ متعارف ہو چکا ہے، کوئی ملک، کوئی شہر، کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والا موجود نہ ہو۔

مگر آج المیہ یہ ہے کہ اس سائنٹفک اور ترقی یافتہ دور میں جہاں ایک طرف انسان ترقی کے منازل طے کر رہا ہے، نئی نئی جدید چیزوں سے آراستہ ہو رہا ہے، بہتر زندگی گزارنے کے لیے ہر قسم کے علم و ہنر کا مستعلم و معلم بن رہا ہے، وہیں دوسری طرف اسلام کی حقیقت، اللہ کے احکامات، نبی کریم ﷺ کی تعلیمات، سلف و صالحین کی زندگی کے سبق آموز واقعات اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دستورِ حیات سے انسان دور ہوتا جا رہا ہے۔

آج امتِ سخت حالات و مسائل سے دوچار ہے، ہر روز فتنوں اور آزمائشوں کی نئی یلغار ہے، لوگ سہم کر سنبھل نہیں پاتے کہ کوئی نیا سانحہ یا المیہ دستک دے رہا ہوتا ہے، جو خوف و دہشت اور مایوسی و ناامیدی کی کیفیت میں مزید اضافہ کر جاتا ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ مسلمان ایسے حالات کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہیں، اس کی توقعات کچھ اور ہیں اور حالات اس کے بالکل برعکس اسے کچھ اور دکھاتے ہیں، حالاں کہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جنہیں پیش آنا ہی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے، آپ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔ لہذا ہمیں اپنی سوچ بدلنی ہوگی، ہمیں یہ تسلیم کر کے زندگی جینی ہوگی کہ ناگواریاں اور ناخوشگواریاں پیش آنی ہی ہیں، اور یہ طے کرنا ہوگا کہ زمانہ ہمارے سامنے کیسے ہی حالات لائے، موجِ حوادث ہماری راہوں میں کیسا ہی طوفان برپا کرے ہمیں تو اللہ کے دین کو سینے سے لگائے رکھنا ہے، اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہنا ہے۔

جامع ترمذی میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد پاک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

قال رسول الله ﷺ: ”يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ“ (جامع الترمذی: حدیث نمبر 2260)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں اپنے دین پر مضبوطی سے جمنے والا ایسا ہوگا جیسے انگارے کو ہاتھ سے پکڑنے والا۔

اس حدیث میں آگاہی بھی ہے اور رہنمائی بھی۔ آگاہی تو یہ ہے کہ آخری زمانہ میں شر اور فتنوں کے اسباب بہت بڑھ جائیں گے اور دین کو مضبوطی سے تھامنے والے بہت تھوڑے رہ جائیں گے، اور اس تھوڑی سی تعداد کو بھی دشمنوں اور ظالموں کے جبر و تشدد، نیز شکوک و شبہات اور شہوتوں کے فتنوں کی بہتات کی وجہ سے دین پر چلنے میں سخت حالات اور مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اور رہی رہنمائی تو اس حدیث میں امت کو پیغام دیا گیا ہے کہ اس قسم

کے سخت حالات پیش آکر ہی رہیں گے، لہذا امت کو اس کے لیے ذہن بنائے رکھنا چاہیے، اور دین کی پیروی کی راہ میں جو بھی پریشانیاں آئیں ہمت اور استقامت کے ساتھ اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ، قَالَ: قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ. (صحیح مسلم، حدیث نمبر 38)

حضرت سفیان بن عبد اللہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اسلام کی کوئی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ پھر مجھے کسی اور سے اس کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر چمے رہو۔

یہ حدیث بہت ہی مختصر ہے، لیکن معنی و مفہوم کے لحاظ سے بہت بڑی ہے اور اس کے اندر بڑی جامعیت، وسعت اور گہرائی ہے۔ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کا تعارف اور آخرت کی کامیابی و سرفرازی کو صرف دو الفاظ میں واضح فرمادیا۔ اس حدیث کے مطالعے سے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ درور رسالت میں لوگ لمبی چوڑی گفتگو سے بچ کر صرف اہم باتوں پر توجہ دیتے تھے۔ مختصر معلومات حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ آخرت کی کامیابی کے متمنی رہتے تھے۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ سوال کرنے والے نے سوال کس انداز میں کیا ہے کہ مجھے صرف مختصر طور پر اسلام کے بارے میں بتا دیجئے تاکہ وہ مجھے یاد رہ سکے۔ مزید اتنا واضح بھی ہو کہ مجھے کسی اور سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھنے والے کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے مختصر ترین الفاظ میں اسلام کا تعارف کر دیا کہ کہو ”امنت باللہ“ اللہ پر ایمان لایا۔ ”ثم استقم“ پھر اس پر چم جاؤ۔

استقامت کے شرعی معنی یہ ہیں کہ انسان جس دین کو برحق سمجھ رہا ہے، اس پر مرتے دم تک قائم و دائم رہے۔ اس کے قیام کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتا رہے اور اس راہ میں آنے والی دشواریوں کو برداشت کرتا رہے۔

اس حدیث میں جو جامع بات کہی گئی ہے اس میں بظاہر صرف دو الفاظ ہیں ”ایمان“ اور ”استقامت“۔ یہ دراصل ایک ہی حقیقت کی دو مختلف تعبیریں ہیں۔ ایمان دعویٰ ہے، استقامت اس پر دلیل ہے۔ ایمان اللہ کے لیے خود سپردگی اور حوالگی کا اقرار ہے اور استقامت اس کا مظہر ہے۔ ایمان بندگی رب اور اس کے لیے اخلاص کا اعلان ہے، استقامت اس کی حقیقی تعبیر، دین کی اساس اور مومن کا وقار ہے۔ اس کے ذریعے سے دنیا میں بھی عزت و شرف حاصل ہوتا ہے اور یہ جنت میں بھی داخلے کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ. (سورہ حم سجدہ: 30)

بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر چم گئے، اترتے ہیں ان پر فرشتے کہ مت ڈرو اور رنجیدہ نہ ہو اور خوش ہو جاؤ اس جنت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا جاتا تھا۔ (معارف القرآن)

دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کا مطلب ہے ثابت قدم رہنا، ثابت قدمی اقوال و افعال میں، عقیدہ و اعمال میں، ظاہر و باطن میں، عمل و سیرت میں، فکر و نظر میں، اللہ کی معرفت اور اس کی خشیت میں، اللہ کی عظمت و ہیبت کے ادراک میں، اس کی کبریائی و جلال کے اعتراف میں، اس سے امید و بیم میں اور اللہ پر توکل اور غیر اللہ سے بے زاری میں۔

کسی سمجھ دار آدمی کو اس بات میں شک نہیں ہے کہ پہلے زمانے کے لوگوں کے مقابلے میں آج کے مسلمان کو دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کے طریقوں کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اس لئے کہ حالاتِ زمانہ بہت بگڑ چکے ہیں، اب خیر خواہ دوست نادر ہو گئے ہیں، مددگار کمزور ہو گئے ہیں اور ساتھ دینے والے بہت تھوڑے ہیں۔

استقامت کی راہ میں عام طور پر دو طرح کی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ کچھ کا تعلق خارجی امور سے ہوتا ہے۔ گھر، خاندان، معاشرہ اور ماحول، حکومت وقت، دشمنان دین، مخالفین و معاندین، برے ساتھی، ان کے دباؤ میں آکر انسان راہ راست سے ہٹ جاتا ہے اور ثابت قدم نہیں رہ پاتا۔ کچھ رکاوٹوں کا تعلق انسان کے باطن سے ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ جس ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور جس عزم کا اظہار کرتا ہے اس پر قائم نہیں رہ پاتا ہے، اس کا نفس اسے بھٹکا دیتا ہے، نفسانی خواہشیں اور لذتیں اس پر غالب آجاتی ہیں، اور وہ شیطانی وساوس کے گھیرے میں آکر استقامت کی راہ کھو بیٹھتا ہے۔ لہذا دین پر استقامت حاصل کرنے کے لیے پہلے ان طریقوں کو جاننا ضروری ہے جن سے ایک بندہ دین پر مضبوطی سے قائم رہ سکتا ہے۔

دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لیے درج ذیل طریقے ہیں:

(1) نصب العین اور مقصد حیات کا شعور پیدا کرنا۔

(2) آخرت کے اجر کا کامل یقین کرنا۔

(3) نماز قائم کرنا۔

(4) قرآن کریم سے گہرا ربط و تعلق قائم کرنا۔

(5) اولیائے کرام اور صالحین امت کے واقعات کا مطالعہ کرنا۔

(6) اپنے راستے پر یقین محکم رکھنا۔

(7) دین پر ثابت قدمی کے لیے دعا کرنا۔

## ۱۔ نصب العین اور مقصد حیات کا شعور پیدا کرنا۔

انسان کی زندگی کا نصب العین اخلاقی کمال ہے اور اخلاقی کمال عبارت ہے کامل بندگی سے، جس کی اعلیٰ ترین صورت ”رضائے الہی“ کا حصول ہے۔ اس لحاظ سے نتیجتاً انسان کی زندگی کا اصل نصب العین اور مقصد رضائے الہی قرار پایا، یا یوں سمجھ لیجیے کہ انسان کا مقصد حیات ”انسان مرتضیٰ“ یعنی ایسا انسان بننا ہے جس پر اس کا رب راضی ہو۔

جب رضائے الہی مقصد حیات بن کر انسان کی پوری زندگی پر محیط ہو جائے تو اس کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، الغرض سارا کاروبار حیات ہی عبادت اور بندگی قرار پاتا ہے۔ اس کا ایک ایک سانس اور ایک ایک لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مقصد انسان عبادت الہی ہے اور عبادت الہی عبارت ہے رضائے الہی سے، گویا انسان کا مقصد حیات بڑا مبارک، عظیم اور اہم ہے اور اسی تصور عبادت کی بنیاد پر ایک انسان کو تقرب الی اللہ میسر ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کا حصول ہو جائے اور اس کے نتیجے میں انسان حسنات دنیا اور حسنات آخرت سے فیض یاب ہو سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے کیسی فکر، کیسا جذبہ اور کیا عمل درکار ہے۔ عقیدے کی درستی، جذبات و احساسات کی ہدایت اور ان کے نتیجے میں اعمال صالحہ کی سعی و جہد انسان سے مطلوب ہے۔

اب سوچنے کا مقام ہے کہ جن مقاصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ بلند رتبہ دیا، اشرف المخلوقات کے طغرائے امتیاز سے شرف بخشا اور انسان کو جملہ مخلوقات میں اکمل و اتم بنا کر دنیا میں بھیجا، پھر اگر کوئی فرد بشر ان مقاصد کو نظر انداز کر کے معیار انسانیت سے خود کو گرا دے تو وہ کیسے ہدایت یاب ہو سکتا ہے اور کیسے دین پر مضبوطی سے قائم رہ سکتا ہے؟ آج دین سے کنارہ کشی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ انسان خود کو پہچان نہیں رہا ہے۔ جس نے خود کو پہچانا تو وہ دنیا کا ایک انمٹ کردار بن گیا۔ اس ضمن میں صحابہ کرام اور تابعین عظام اور اس کے ساتھ صوفیائے اعلام کا جو سلسلۃ الذہب ہے وہ اس بات پر شاہد ہے کہ ان پاکیزہ افراد نے بہر حال اپنے مقصد حیات کو سمجھا، جانا اور اس پر عمل کیا۔ اسی لیے وہ صبر و استقلال اور استقامت علی الدین کے پیکر جمیل تھے۔

## ۲۔ آخرت کے اجر کا کامل یقین کرنا۔

دوسری چیز جو مسلمان کو دین پر مضبوطی سے قائم رکھتی ہے، وہ آخرت میں اجر و ثواب اور انعام کا محکم یقین ہے۔ آخرت پر ایمان لانا ایمان باللہ

ہی کا جزو ہے اور ایمان باللہ آخرت کو تسلیم کیے بغیر بے معنی ہو جاتا ہے، آخرت کا یقین و استحضار ہی انسان کو بُرے اعمال سے بچاتا اور نیک اعمال پر آمادہ کرتا ہے، مشکلات و مصائب کی گھاٹیوں کو پار کرنے کا حوصلہ وہی رکھ سکتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اس کو اس کی ہر محنت کا اجر مل کر رہے گا اور جس کا عقیدہ آخرت پختہ اور مضبوط ہوتا ہے، عیش و عشرت اور راحت و آرام کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتا، اس کے نزدیک:

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ (سورہ توبہ: 38)

تو دنیاوی زندگی کی پونجی آخرت میں محض تھوڑی سی ہے۔ (معارف القرآن)

ایسا آدمی آخرت پر اپنی نگاہ مرکوز رکھتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۖ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝

وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝﴾ (سورہ اعلیٰ: 17-14)

بے شک کامیاب ہوا جو پاکیزہ ہوا، اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو پھر نماز پڑھی، بلکہ اختیار کرتے

ہو تم دنیاوی زندگی کو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (معارف القرآن)

یہی وہ عقیدہ ہے جس کی درستگی ایمان کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ عقیدہ اپنے ماننے والوں پر حشر و نشر اور جزا و سزا کے یقین و تصدیق کو لازم کرتا ہے، جس کے سلسلے میں قرآن کہتا ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. (سورہ

ابراہیم: 48)

جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ اور سارے آسمان اور سب نکل پڑے اللہ

کے لیے اکیلا غالب۔ (معارف القرآن)

اس وقت تمام لوگوں کی پیشی اللہ رب العزت کے سامنے ہوگی اور حال یہ ہوگا کہ اگر کوئی انسان چاہے گا کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر نہ ہو اور زمین و آسمان کے کسی گوشے سے کہیں نکل بھاگے تو ایسا کوئی راستہ نہیں پائے گا اور اسے چاہے نہ چاہے اللہ تعالیٰ کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ما منكم من أحد إلا سيكلمه الله يوم القيامة ليس بين الله وبينه ترجمان. (صحیح

بخاری: 7443)

”تم میں ہر فرد سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس طرح کلام فرمائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے

درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔“

یہ لمحہ ہمیں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ دنیا میں تو انسان اپنے حقوق کی وصولیابی کے لیے یا پھر دوسروں کے حقوق پر ناحق دست درازی کے لیے اپنے حمایتیوں کا سہارا لیتا ہے، اپنی پارٹی کے افراد اور ان کی قوت و استحکام پر نظر رکھتا ہے، ضرورت پڑنے پر اپنے سفارشیوں کو لا کھڑا کرتا ہے اور کبھی اپنے مضبوط جھٹکے کے ساتھ طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے، لیکن آخرت میں یہ سب کہاں؟ بندہ ناچیز بے بس و مجبور تنہا حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا۔ اسی لیے قرآن کریم نے انسانیت کو آخرت کے اس مرحلے سے آگاہ کر دیا ہے اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ﴾ (سورہ انعام: 94)

اور بے شک تم لوگ آئے ہمارے پاس علیحدہ علیحدہ جس طرح سے کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلی

بار۔ (معارف القرآن)

خلاصہ یہ کہ عقیدہ آخرت کے اثرات انسان کی زندگی پر لامحالہ پڑتے ہیں۔ جواب دہی کا احساس اسے نیکی و تقویٰ کی راہ پر گامزن کرتا ہے، اس کے افکار و نظریات کو ایمان کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اس کا ایمان اسے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی بلند یوں پر پہونچا دیتا ہے اور اس کا ایمانی شعور اسے ہر سمت سے کاٹ کر اس شاہراہ پر ڈال دیتا ہے جو اسے رب ذوالجلال کی خوشنودی کی طرف لے جانے والی اور حزب اللہ میں شامل کرنے والی ہے۔ لیکن اگر عقیدہ آخرت کمزور ہوا، (بعث بعد الموت) یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور جزا و سزا کے نفاذ کا تصور ذہنوں سے محو ہو گیا یا اسلامی عقیدہ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تو انسان فکری بگاڑ و عملی و اخلاقی فساد کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کی ایمانی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، بد اعمالیوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور پھر وہ ایسی شاہراہ پر چل پڑتا ہے جو اسے شیطان کی طرف لے جاتی ہے اور بالآخر وہ حزب الشیطان میں شامل ہو جاتا ہے، جس کا انجام ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

### ۳۔ نماز قائم کرنا۔

دین پر قائم رہنا، نفسانی خواہشوں سے بچنا، مشکلات و مصائب سے گزرنا، اللہ سے قربت کے نتیجے میں ہی ممکن ہے اور اللہ کا قرب نماز سے حاصل ہوتا ہے، نماز کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (سورہ علق: 19)

اور سجدہ کرو اور نزدیکی ہو جاؤ۔ (معارف القرآن)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد. (صحیح مسلم، حدیث نمبر 482)

بندہ جب سجدے میں ہوتا ہے اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

نماز دین کا ستون ہے، نماز دین کا مغز اور ایمان کا مظہر ہے، جو نماز کو قائم کرے گا وہ پورے دین کو قائم کر لے جائے گا، جو اس کو ترک کر دے گا وہ دین کے دوسرے معاملات کو بدرجہ اولیٰ ترک کرنے والا ہوگا۔ نیز نماز سے انسان کو سکون و راحت نصیب ہوتی ہے اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورہ

بقرہ: 153)

اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(معارف القرآن)

### ۴۔ قرآن کریم سے گہرا ربط و تعلق قائم کرنا۔

دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کا سب سے مؤثر طریقہ قرآن کریم سے گہرا اور مضبوط تعلق قائم کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ واضح روشنی ہے، جس نے اس کو تمام لیا اللہ تعالیٰ نے اس کی ہر شے سے حفاظت فرمادی اور جس نے اس کی پیروی کی اللہ نے اس کو نجات دے دی، اور جس نے اس کی طرف دعوت دی، اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت مل گئی۔ قرآن کریم اپنی تعلیمات کو بہترین پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ وہ صرف احکام ہی کی کتاب نہیں، بلکہ احساسات و جذبات کو جھنجھوڑنے والی اور دل پزیر نصیحتوں کے ذخائر رکھنے والی کتاب بھی ہے، جو اس کی آیات کو غور سے سننے اور پڑھنے کا اس کے دل میں ایمان کا نور اترے گا، صاحب ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوگا، دل کے امراض دور ہوں گے، شرک، اتباع نفس، حرص و طمع، منصب کی چاہت اور دنیا کی رنگینیوں کی طرف میلان وغیرہ جیسی بیماریوں سے نجات ملے گی۔

قرآن سے تعلق پیدا کرنے سے انسان کے اندر استقامت پیدا ہوتی ہے، نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ کرام و بزرگان دین کی سیرتوں اور سوانح کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب و آلام، مشکلات و شدائد اور فتنوں کے دور میں استقامت پیدا کرنے کا سب سے اہم ذریعہ اللہ

کی یہی کتاب تھی۔ ان کا ربط قرآن کریم سے بہت گہرا اور مضبوط تھا، اسی لیے ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود وہ باطل سے نہیں دبتے تھے۔  
اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ قرآن حکیم کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہ ثابت قدمی میں مدد دے، اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعتراض کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً. وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا  
(سورہ فرقان: 32-33)

اور بولے کافر کہ کیوں نہ بھیج دیا گیا ان پر قرآن یکبارگی، ایسا یوں ہے تاکہ ہم مضبوط بنائیں تمہارے دل کو اور ہم نے اس کا پڑھنا ٹھہر ٹھہر کے کیا اور نہ لائیں گے کفار تمہارے پاس کوئی بات مگر یہ کہ ہم لے آئے تمہارے پاس حق اور بہتر بیان۔ (معارف القرآن)

قرآن کریم ثبات و استقامت کا مصدر کیسے ہے؟

- ☆ اس لئے کہ قرآن دل میں ایمانی حرارت پیدا کرتا ہے، اور نفس کا تزکیہ کر کے رب سے تعلق اور رشتہ کو استوار کرتا ہے۔
- ☆ اس لئے کہ قرآنی آیات مؤمن بندے کے دل پر سلامتی اور سکون نازل کرتی ہیں، چنانچہ فتنوں بھری آندھیاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اور اللہ کے ذکر سے بندے کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔
- ☆ اس لئے کہ قرآن مسلمان کو صحیح تصورات اور عقائد سے مسلح کرتا ہے، اس طرح مسلمان اپنے ارد گرد پھیلے حالات کو صحیح سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس ایسے مستحکم اصول ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کا فیصلہ ڈمگنا نہیں ہے۔ اور نہ ہی واقعات اور اشخاص کے تبدیل ہونے سے اس کے اقوال میں تناقض آتا ہے۔
- ☆ دشمنان اسلام (خواہ کافر ہوں یا منافق) جو شبہات پھیلاتے ہیں قرآن اُن کا دندان شکن جواب دیتا ہے۔

## ۵۔ اولیائے کرام اور صالحین امت کے واقعات کا مطالعہ کرنا۔

دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لیے ایک انتہائی معاون طریقہ انبیائے کرام کے حالات و واقعات، سیرت رسول اکرم، صحابہ و صحابیات اور اولیائے کرام نیز صحائے امت کی سیرت و سوانح کا مطالعہ کرنا ہے۔ کیوں کہ سیرت میں ایسے واقعات زیر مطالعہ آئیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے دین کو کیسے سیکھا اور اس پر کیسے عمل کیا، کیا مصائب آئے اور ان کا کس طرح مقابلہ کر کے انھوں نے استقامت کی راہ اپنائی۔  
ان کی سیرتوں میں ایک ولولہ، بہادری، شجاعت اور غلبہ حق کے لیے جدوجہد کے نادر نمونے نظر آتے ہیں، جن سے رب کی رضا کی تڑپ اور رغبت، تعلق باللہ کی مضبوطی اور روح کی بالیدگی کا دافر سامان ملتا ہے۔ ان کی عزیمت و استقامت کی داستانیں، عمل کے لیے ہمیز کا کام کرتی ہیں، ان حضرات کی سیرتوں کا مطالعہ جو بھی کرے گا ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (سورہ ہود: 120)

اور سارے ظاہر کیے دیتے ہیں ہم تم پر سب رسولوں کے واقعات کہ تمہاں لیں ہم اس سے تمہارا دل اور آگے تمہارے پاس اس میں ٹھیک واقعات اور پند و نصیحت ماننے والوں کے لیے۔ (معارف القرآن)

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ آیات خوش طبعی یا دل لگی کے لئے نہیں نازل ہوئیں، بلکہ ان کا بہت بڑا مقصد تھا اور وہ تھا آپ ﷺ اور آپ

کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں کو مضبوط کرنا۔

## ۶۔ اپنے راستے پر یقین محکم رکھنا۔

صرف ایک ہی صحیح راستہ ہے جس پر چلنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور وہ ہے اہل السنّت والجماعۃ کا راستہ اور یہی طائفہ منصورہ یعنی فرقہ ناجیہ کا راستہ ہے جن کا عقیدہ بہت صاف ستھرا اور منہج بہت صحیح ہے یہ سنت اور دلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کے دشمنوں سے بالکل الگ ہیں اور اہل باطل سے فاصلہ رکھتے ہیں۔

اس بات کا پختہ یقین ہو کہ یہ سیدھا راستہ جس پر میں چل رہا ہوں نہ ہی نیا ہے اور نہ ہی اس زمانے میں ایجاد ہوا ہے۔ بلکہ یہ بہت قدیم راستہ ہے۔ جس پر ہم سے پہلے انبیاء کرام، صدیق زمانہ، شہداء، علماء اور دوسرے نیک لوگ چلتے آئے ہیں۔ اس طرح آپ کی حیرانی ختم ہو جائے گی اور آپ کی پریشانی اطمینان میں بدل جائے گی اور آپ کی جھنجھلاہٹ فرح و سرور کا رنگ اختیار کر لے گی۔ اس لئے کہ آپ کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ یہ سب لوگ اسی راستے میں میرے ہم سفر اور بھائی ہیں۔

سوچ و فکر کے بدلنے سے ہمارے عزائم بدلیں گے، ہمارے اندر صبر استقامت اور قربانی کے جذبات پیدا ہوں گے، بزدلی اور پس ہمتی، بہادری اور الولعزی میں تبدیل ہوگی، اور ہماری راہ ہزار رکاوٹوں کے باوجود بھی آسان ہوتی چلی جائے گی، اور اسی ایمانی عزم و ہمت کے ذریعے ان شاء اللہ ہم آزمائشی دور کو سر کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

## ۷۔ دین پر ثابت قدمی کے لیے دعا کرنا۔

دل کے عزم و ارادہ کے ساتھ اللہ سے دین پر استقامت اور ثابت قدمی کی دعا بھی کرنی ہے، دعا کا انسانی زندگی سے بہت گہرا ربط ہے۔ ایک مومن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ کی توفیق و مدد کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے، اللہ ہی حاکم مطلق ہے، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے، نفع و ضرر کا مالک وہی ہے اور وہی لوگوں کی تقدیر بنانے اور بگاڑنے کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ ایک مومن کے رشتے کو اللہ سے مضبوط تر بنائے رکھتا ہے اور ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں وہ اسی سے لو لگاتا ہے۔ اسی سے التجائیں اور دعائیں کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ تعلیم امت کے لیے کثرت سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللهم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ (جامع صغیر، حدیث نمبر 7988)

اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمادے۔

اللہ تعالیٰ بھی یہی پسند فرماتا ہے کہ بندے اس سے دعا مانگیں، لہذا دین پر ثابت قدمی کے لیے دعا کا اہتمام بے حد ضروری ہے۔